اسلامی نظام اقتصاد اور ہمارے معاشی مسائل

* عبید احمد خان

** محمد بلال ابراہیم

ABSTRACT

Today, we are living in a world which is very different from that of some centuries ago. As the economic relations among men and countries expand day in day out, they are thus maximizing the number of challenges and problems also. To provide a better tomorrow and a good atmosphere to live for the upcoming generation of mankind the basic need felt by the intellectuals all over the world is to change some of the very disastrous and dangerous aspects of the worldly economic system. Capitalism in its basic form i.e. Free Market with lasses pass lasses fair theory as well as Socialism with its staunch ideology and harsh behavior are no more acceptable economic systems in the opinion of a great many economic experts and intellectuals of the time. Mankind is in need to have the several emerging economic problems fixed and have a just economic system where every single man should possess the basic needs of living a sound life; sufficient food to eat, pure water to drink and a suitable shelter to live in.

Islamic Economics which came into light very strongly in recent time undoubtedly have very powerful and targeted solutions for the miseries experienced by world and thus Islamic Economic theories can indeed play a very useful role to bestow mankind salvation from the spears-like connotations of Capitalism and thorns-filled dreaming beds of Socialism. The only work we, the Muslims especially and the rest of mankind commonly, should do to put these theories and practices in work and then they will give us their fruits. This paper aims to highlight some of the national and international economic problems and to explain the solutions given by Islam regarding economic policy making, and also the duties of government bodies and the duties of common man as individual.

Keywords: National, International, Economic, Problems, An Overview, Islamic, Economic, System.

تمہید

عالمی معاشی و اقتصادی صورتحال مجموعی طور پر جس ابتری اور بد حالی کا شکار ہے، وہ کسی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ ایک طرف تو "آزاد تجارتی نظام" نے ہوس پرستی اور مادہ پرستی کی لہر کچھ اس طرح پھیلائی ہے کہ

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، چیئرمین شعبہ اصول الدین، کراچی یونیورسٹی برقی پتا: bilalberberi@gmail.com

** ریسرچ اسکالر، پی ایچ ڈی کینڈی ڈیٹ، کراچی یونیورسٹی

تاریخ موصولہ: ۱/۱/۲۰۱۷ء

غریبوں کا خون پسینہ سونے چاندی کی قیمت میں چھین چھین کر ایک خاص طبقے کی تجوریاں بھر رہا ہے، اور دوسری طرف "اشتراکیت" اور "اشتمالیت" اور "انارکیت" کے اقتصادی نظاموں نے شدت پسندی اور جبر و زیادتی کے وہ کارنامے رقم کیے جن کی بدولت پیداواری، مذہبی اور اخلاقی بحران نے انسانی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ اس وقت پوری دنیا کے سنجیدہ طبقے کی طرف سے اس اقتصادی بدحالی پر واویلا ضرور کیا جارہا ہے اور یہ کانفرنسز (چاہے ان کا نتیجہ کیوں کچھ بھی نہ نکلا ہو) اس بات کا ثبوت ہیں کہ ظالمانہ، اندھے اقتصادی نظام کے مقابلے میں ایک عادلانہ اقتصادی نظام کی تلاش جاری ہے۔ ۱۹۷۱ء میں قائم ہونے والے ورلڈ اکانومک فورم کے تحت منعقد ہونے والی متعدد بار مختلف عناوین کے ذریعے نئے اقتصادی نظام کی ضرورت پر زور دیا جاتا رہا ہے، اور اس سلسلے میں مختلف تجاویز اور لائحہ عمل تیار ہوتے آرہے ہیں۔[۱] لیکن ایک واقعاتی حقیقت ہے کہ اب تک اقتصادی صورتحال میں کوئی قابل ذکر بہتری نظر نہیں آرہی ہے۔ آج اقتصادی نظاموں کی طویل فہرست تیار ہو چکی ہے اور تجاویز در تجاویز کے باوجود اقتصادیات میں بہتری لانے کی تمام کوششیں ناکامی کا شکار ہیں۔

جب کہ مذہب اسلام جس طرح فاران کی چوٹیوں سے ایک طویل عرصہ قبل پکار رہا تھا اور دنیا کے تمام لوگوں کو عالمگیر سلامتی کی طرف دعوت دے رہا تھا، آج بھی اپنی دعوت ببانگ دہل جاری رکھے ہوئے ہے۔ آج بھی مذہب اسلام، تمام شعبہ ہائے زندگی میں انسانیت کو امن و سلامتی کی راہ دکھانے کو تیار ہے، لیکن راہ رو منزل کی طلب اور تڑپ، راہ دیکھنے کی اوّلین شرط ہے۔ چنانچہ مذہب اسلام کو خداوند کریم کی طرف سے انسانیت کے لیے آخری پیغام ماننے والے ایک مسلمان کی حیثیت سے اسلامی دنیا کے ہر ہر فرد کا یہ ٹھوس موقف ہے کہ اگر موجودہ گوناگوں معاشی مسائل سے چھٹکارے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ "اسلامی نظام اقتصاد" کا عملی قیام ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں راقم کا مقصد موجودہ معاشی مسائل کی اجمالی تفصیل کے بعد معاشیات کے متعلق قرآنی تعلیمات، ان تعلیمات کی عملی تصویر یعنی اسوۂ نبوی، اور اس عملی تصویر کی تشریح و تفصیل یعنی کتب فقہ کی روشنی میں کشید کی ہوئی ان کلیات کا بہ طور اختصار پیش کرنا ہے، جن کلیات پر اسلامی نظام اقتصاد کی مضبوط عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

موجودہ عالمی اقتصادی ڈھانچہ اور اس کے عمومی نتائج

ماہرین معاشیات کے مطابق اس وقت دنیا میں تقریباً تمام ممالک میں "آزاد تجارتی نظام اقتصاد"، اور "منصوبہ بند اشتراکیت" کے نظریات پر مشتمل مخلوط اقتصادی نظام حکمرانی کر رہا ہے۔[۲] یعنی نہ تو پوری طرح آزاد تجارتی نظام اقتصاد ہے جو "Lasses pass ,Lasses fare" کے اصول پر قائم ہے، پوری طرح رائج ہے، اور نہ مارکسی اشتراکی

نظریات پوری طرح قبول کیے جا رہے ہیں۔ اس لیے کہ اگرچہ ان دونوں نظاموں میں بنیادی نظریات کا اختلاف ہے، تاہم ان دونوں کا عملی کردار اور نتیجہ یکساں ہی رہا ہے۔ ان دونوں نظامہائے اقتصاد کے مجموعی متفقہ نتائج جو بین الاقوامی طور پر ظاہر ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

۱ : مادیت کا تقدس ۲ : فطرت سے جنگ ۳: طبقاتی کشمکش ۴ : دین و مذہب سے مخالفت

یہ وہ چار حدود ہیں، جہاں ”سرمایہ دارانہ نظام“ اور ”اشتراکیت“ دونوں ہی آ کر مل جاتے ہیں، ان چاروں متفقہ نتائج کی جزوی تفصیل بہت طویل ہے جس کو اس مختصر مضمون میں ذکر کیا جانا ممکن نہیں۔

سنگین معاشی و اقتصادی مسائل

۱: طبقاتی کشمکش اپنے عروج پر ہے۔ ۲: فقر و فاقہ اور افلاس تیسری دنیا کے ممالک میں اپنی انتہائی کرب ناک حدوں کو چھو رہے ہیں۔ ۳: غذائی بحران نے فلاکت زدہ زندگیوں کی بھیانک منظر کشی کر رکھی ہے۔ ۴ : افراط زر کی روز افزوں شرح نے اشیائے ضرورت تک کی قیمتوں میں ایسی گرانی پیدا کر دی ہے کہ معاشرے میں ناحق دولت ہتھیانے کا احساس مسلسل بڑھ رہا ہے۔ ۵: بے روزگاری ایک بدترین عذاب کی صورت میں پوری دنیا پر مسلط ہے۔ ۶ : اور سب سے بڑھ کر خدا فراموشی نے مجموعی طور پر چین و سکون چھین لیا ہے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی دنیا کی موجودہ اقتصادی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”دنیا اب تیزی سے بدل رہی ہے، پورہ کرہ زمین ایک محلے کی سی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اور اس پورے گلوب پر نظام سرمایہ داری اپنا جال جدید ترین آلات و وسائل کے ساتھ تیزیسے پھیلا رہا ہے، اور نیو ورلڈ آرڈر کا صور پوری قوت سے پھونکا جا رہا ہے۔ اس نظام کی خرابی نجی ملکیت میں نہیں، بلکہ نجی ملکیت کی خالص مادی پر مبنی اس غیر محدود آزادی میں ہے جس نے حلال و حرام کا فرق مٹا کر معاشی آزادی کے سارے میدان سرمایہ داروں کے لیے خاص کر دیے ہیں۔ بازار معیشت اور پورے نظام معیشت پر ان کی اجارہ داری قائم کر کے وسائل معاش پر پہرے بٹھا دیے ہیں۔ اور عوام کو انہی کی نوکری چاکری یا بے روزگاری پر مجبور کر کے ان پر مہنگائی کا ہمزاد مستقل طور پر مسلط کیا ہوا ہے۔“[۳]

وقت کی اہم ضرورت: عادلانہ اسلامی نظام اقتصاد کا قیام

انسانی زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح اقتصادیات کے شعبے میں بھی اسلام ٹھوس نظریات کا حامل ہے، اور ان نظریات پر مشتمل اسلامی اقتصادی نظام اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کے اس کے احاطے کے لیے دیگر کئی علوم اور ان کی کلیات و جزئیات کی بھی مکمل تفصیل جاننا ضروری ہے، اس لیے خود یہی موضوع کئی دفاتر کا تقاضہ کرتا ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ اسلامی اقتصادی نظام کی تشریح اور تفصیل میں لکھے جانے والے مقالات اور تصانیف کے لیے آج بڑے بڑے کتب خانوں کا باقاعدہ ایک بڑا حصہ مختص ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ جلد ہی دنیا پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ تقسیم دولت اور اجتماعی خوشحالی کے لیے اسلام کا ایمانی اور عملی اقتصادی نظام اپنی کلّیات اور جزئیات کے ساتھ قائم کیا جانا ناگزیر ہے اور دیگر تمام نظامہائے معاش اپنی کارکردگی میں ناکام ہو چکے ہیں اور تقسیم دولت کی ناہمواری ختم کرنے سے قاصر ہیں۔

اس مختصر تحریر میں اسلامی نظام اقتصاد کی جزئیات پر سیر حاصل بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا یہاں اصول و قواعد کی روشنی میں تشکیل پانے والے اسلامی اقتصادی نظام کے بنیادی ڈھانچے کو مختصر تشریحات کے ساتھ اجمالی طور بیان کیا جاتا ہے۔

اسلامی نظام اقتصاد کے فکری و عملی ڈھانچے کا اجمالی تجزیہ

اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اسلام کی نظر میں دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں کی خوشحالی ہے، قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کے ذخیرے میں قرآن و سنت کی پیش کردہ اجمالی بحث کی تفصیلی تحلیل اور ہمارے زمانے کے معاشی ماہرین کی تحریر کردہ کتب اقتصادیات کی روشنی میں اسلام کے اقتصادی ڈھانچے کا اس طرح تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی اقتصاد کے دو بنیادی پہلو ہیں: ایک فکری پہلو ہے اور دوسرا عملی پہلو ہے۔ فکری پہلو کے تحت وہ بنیادی نظریات آتے ہیں جو اسلام کے پیش کردہ مسلم حقائق ہیں جن کا تعلق صرف فکر اور نظریے سے ہے جس پر عمل کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ یہ خود کوئی عمل نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف عملی پہلو کا تعلق خالص عمل سے ہے۔ عملی پہلو پھر دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے: بعض عمل براہ راست اسلامی اقتصاد کے شعبے سے وابستہ ہیں اور بعض عمل براہ راست تو اقتصادی شعبے سے وابستگی نہیں رکھتے، تاہم ان کا معرض وجود میں آنا اسلامی اقتصاد کے نفاذ اور اس کی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ وہ اقتصادی عمل جو براہ راست اقتصادیات کے شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کی پھر دو قسمیں ہیں: کچھ عمل ایسے ہیں جو حکومت کی ذمّہ داری ہیں اور کچھ عمل افراد کی ذمّہ داری ہیں۔ پھر افراد کی یہ ذمّہ داریاں کچھ تو ان کے اوپر شرعاً واجب کے درجے میں لازم ہیں اور کچھ ان کی اخلاقی ذمّہ داریاں ہیں۔

اسلامی اقتصاد کے نظریاتی کلیات و قوانین

یعنی وہ بنیادی نظریات جن پر اسلامی اقتصاد کی فکری و نظریاتی عمارت تعمیر ہوتی ہے، یہ کل چار نظریات ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱: نظریۂ مقصد تخلیق: سورۃ الذاریات میں اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی تخلیق کا مقصد صرف اپنی عبادت قرار دیا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں، میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، اللہ تو خود رازق ہے، بڑی قوت والا اور زبردست۔''[۴]

مولانا عبدالباری ندویؒ اسی آیت کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں:

''بس یہی آیات اسلامی معاشیات کے سارے اصول وفروع کی اساسی بینات ہے۔ معاش یا قرآن کی اصطلاح میں رزق بلاشبہ زندگی کی سب سے مقدم اور ناگزیر ضرورت ہے۔ لیکن ہے ذریعہ یا ضرورت ہی، زندگی کا مقصد بہر حال نہیں۔ لہٰذا جب تک کو دپہلے مقصد معلوم و متعین نہ ہو لے اس کے مناسب وموافق کسی ذریعے یا وسیلے کا تعین کیسے ہوگا۔ زندگی کا جو مقصد ہوگا اسی کے اعتبار سے تو ذرائع و وسائل کی نوعیت وحیثیت اور اہمیت کا فیصلہ ہوگا اور جہاں کہیں وسیلہ نفس وسیلہ کی حیثیت سے باہر قدم نکالے گا یا اصل مقصد میں معاون ہونے کی جگہ مزاحم ہونے لگے گا وہیں اس کو روک دینا پڑے گا۔''[۵]

۲: نظریۂ نجی ملکیت: اسلام کی نظر میں نجی اور ذاتی ملکیت ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور اسلام ذاتی ملکیت کو کالعدم کرنے کا خواہاں نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر بندوں کی روزی بندوں کو مہیا کرنے کی قدرت کا بر سبیل نعمت تذکرہ فرمایا ہے اور ان آیات میں رزق کی نسبت مرزوق کی طرف فرما کر یہ حقیقت واضح فرمادی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے اتارے ہوئے رزق کے ذخائر اور وسائل کا مالک ہو سکتا ہے۔

باری تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ''جو رزق ہم نے ان کو دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں''[۶] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق کے بندوں کو عطیہ کرنے کا ذکر فرمایا، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس عطیہ کردہ رزق کا بندہ مالک ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں مال کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسان دنیا میں اپنے مال کا مالک ہے۔ اسی طرح اور بھی کئی آیات ہیں جن میں مال کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔[۷]

ان نصوص کی روشنی میں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ اسلام تامیم یعنی نیشنلائزیشن کے حق میں نہیں اور خود تامیم کے معاشی نتائج دیکھ کر شاید ان حضرات کی جسارت بھی کم ہو جائے گی جو اسلام کے معاشی نظام کو کھینچ تان کر سوشلسٹ نظام اقتصاد کے لیے دلیل بنا کر پیش کرنا چاہتے تھے۔

نجی ملکیت کے سلسلے میں امام شاہ ولی اللہؒ کی چشم کشا تحریر قابل دید ہے: "قاعدہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا کہ در حقیقت مال سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے، در حقیقت کسی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں کے لیے اس زمین سے نفع اٹھانے کو مباح فرمایا تو ان میں لڑائی جھگڑے کا پیدا ہونا عین ممکن تھا، چنانچہ (انسانوں کے لیے ملکیت کا) یہ حکم اسی لیے ہے تا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے مال میں جس کو اس نے پہلے حاصل کر لیا ہے کسی قسم کی کوئی خرد برد نہ کر سکے۔"[۸]

۳: نظریۂ فطری مساوات: یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے درمیان فطری طور پر تفاوت رکھا ہے، انسان آپس میں کئی چیزوں میں ایک دوسرے سے کمتر اور بالا ہیں۔ کسی کے پاس صحت ہی صحت ہے تو کوئی پیدائشی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ کوئی خوبصورت ہے اور کوئی بدصورت، کوئی بچپن ہی میں اس دنیا کو خیرباد کہتا ہے اور کوئی انتہائی بڑھاپے میں بھی زندگی کے دن کاٹ رہا ہوتا ہے۔، کوئی اتنا ذہین ہے کہ ذہانت سے دنیا کو خیرہ کیے ہوئے ہے اور کوئی اس قدر غبی اور بلید ہے کہ دنیا اس پر ہنستی ہے۔ یہ قدرت کا پیدا کردہ فطری تفاوت ہے، اس میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں؟ یہ اسی علیم و خبیر کے علم میں ہیں جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔ مذکورہ بالا نعمتوں کی دین میں تفاوت کی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی صلاحیت کار دوسرے انسان سے مختلف رکھی ہے۔ ایک اپنی صلاحیت سے تجارت کے باریک گر جانتا ہے اور دوسرا تجارت کی الف ب بھی سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس تفاوت کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ انسان آپس میں معاش کے حصول اور مقدار میں مختلف ہوں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس فطری تفاوت کو کئی جگہوں پر ذکر فرمایا ہے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے: "اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے"[۹] علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سورۃ النساء کی آیت ۳۲ کے تحت تحریر فرماتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ جو کسی کو کسی پر کسی امر میں شرافت و فضیلت اور اختصاص اور امتیاز عنایت فرمائے تو تم اس کیہوس اور حرص مت کرو کیونکہ یہ بھی گویا ایسا ہی ہے کہ کسی کے خاص مال و جان میں بلاوجہ دست اندازی کی جائے جس کی حرمت ابھی گزر چکی ہے اور نیز اس سے باہم تحاسد و تباغض پیدا ہوتا اور حکمت الٰہی کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔[۱۰]

معاشی تفاوت کی حقیقت تسلیم کرنے کے بعد ایک کھٹکا ضرور رہتا ہے کہ تفاوت تو بظاہر ناانصافی معلوم ہوتی ہے اور اسلام تو عدل و مساوات کا مذہب ہے۔ اسلام تو مساوات کی نا صرف جابجا تعلیم دیتا ہے، بلکہ مساوات تو مذہب اسلام کی خصوصیات میں سے ہے۔ آخر اس تفاوت کے بعد اسلام نے مساوات کس طرح قائم کی ہے؟ اس شبہ کا جواب مفتی محمد تقی عثمانی کی اس تحریر میں ملاحظہ کیجیے:

در حقیقت اسلام جس مساوات کا علمبر دار ہے وہ ٹھیٹھ معنیٰ میں معاشی مساوات نہیں بلکہ معاشرتی مساوات ہے۔ اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں تمام مسلمان اپنے معاشرتی اور تمدنی حقوق میں بالکل برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر اپنی قومیت، اپنی نسل، اپنے جان ومال یا اپنے عہدے ومنصب کی وجہ سے کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اسلام میں یہ بات گوارا نہیں کی جاسکتی کہ حکومت کا کوئی فرد محض اپنے بلند منصب کی وجہ سے قانون کی کسی گرفت سے آزاد ہو جائے، یا ایک مال دار شخص محض انکم ٹیکس ادا کرنے کی بناء پر کچھ ایسے معاشرتی اور تمدنی حقوق حاصل کرلے جو ایک غریب شخص کو حاصل نہیں ہیں۔ اس معاشرتی مساوات کا لازمی اثر معیشت پر بھی پڑتا ہے اور اس کی وجہ سے معیشت میں یہ مساوات ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہر شخص کو کسب معاش کے یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ کوئی شخص دولت کا اجارہ دار بن کر دوسروں کے لیے عملاً کمائی کا راستہ بند کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ ہاں ان یکساں مواقع سے جائز طور پر فائدہ اٹھا کر کوئی شخص اپنی ذہانت اور صلاحیت کے سبب دوسروں سے زائد کمالیتا ہے تو اسلام کی نظر میں وہ ہرگز جرم نہیں ہے۔ اس کی آمدنی حلال طیب ہے اور اسلام اس کی پوری حفاظت کرتا ہے۔ اگر اس طریقے سے لوگوں کی آمدنی میں فرق پیدا ہو تو وہ ہرگز اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ یہ فرق فطرت کے عین مطابق ہے۔ خود سرکار دو عالم ﷺ کے عہد مبارک میں یہ فرق موجود تھا اور صحابہ کرام کے ہر دور میں موجود رہا۔ اور تاریخ اسلام کے چودہ سو سالوں میں کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں یہ تفاوت موجود نہ رہا ہو۔ البتہ اس تفاوت نے کبھی امیر وغریب کے معاشرتی اور تمدنی حقوق میں فرق پیدا نہیں کیا، جو حقوق عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ جیسے صحابہ کرام کو حاصل تھے وہی حقوق ابو ہریرہؓ، سلمان فارسیؓ اور بلال حبشیؓ کو بھی حاصل تھے، بلکہ بعض غریب حضرات اپنے علم وتقویٰ کی بنیاد پر عزت وشرف کے اعتبار سے مالدار حضرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند مقام پر فائز ہوتے رہے ہیں۔"

۴: نظریۂ مدّ وعدّ: نظریہ فطری مساوات نتیجہ بدیہی طور پر یہی ہونا چاہیے تھا کہ معاشی تفاوت اور دل میں بسنے والی دنیوی آسائشوں کے حصول کی محبت کے درمیان ایک بدترین کشاکش شروع ہو جائے اور کم معاش والے، اپنے سے بہتر معاش والے کو دیکھ کر گھلتے رہیں، اور بہتر معاش والے بھی آخر کار کسی نا کسی سے معاش میں کمتر ہوں گے وہ اپنے سے بہتر لوگوں کو دیکھ کر کڑھتے رہیں۔ اس کشاکش کو کم کرنے کے لیے (نہ کہ ختم کرنے کے لیے کیونکہ فطرت میں یہ محبت پیوست ہے) اسلام نے ایک انتہائی اہم اقتصادی نظریہ بخشا ہے اور وہ یہی نظریہ عدّ ومدّ ہے۔ نظریۂ عدّ ومدّ یا قانون عدّ ومدّ یہ اصطلاح مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب اسلامی معاشیات میں پیش فرمائی

ہے اور اس کی لاجواب شرح فرمائی ہے۔ اس قانون قدرت کے متعلق غور کیا جائے تو در حقیقت یہ اسلام کے اقتصادی نظام کے بنیادی اصولوں میں واقعی جگہ پانے کا مستحق ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس نظریے کے صرف انہی اشخاص کے ساتھ مختص نہیں کیا جو ان کی اصطلاح میں قدری رزق (کمتر معاش) پانے والے ہیں، بلکہ یہ واضح کیا ہے کہ یہ نظریہ پوری انسانی کو سمیٹتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص کسی دوسرے کی نسبت معاش میں ضرور کمتر ہوتا ہے، چنانچہ یہ نظریہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اس نظریے کے پہلے جزء "مدّ" کی تشریح یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کو مخاطب فرماتے ہوئے امّت محمدیہ کو یہ تعلیم دی ہے کہ کسی صاحب ناز و نعمت کی طرف آنکھیں اٹھا اٹھا کر نہ دیکھیے، یہ زندگی تو امتحان کے واسطے وجود بخشی گئی ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ کیجیے: "اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے"۔[۱۲]

انسان کے لیے زندگی گزارنے کے لیے تو ضرورت کے بقدر روٹی، کپڑا اور مکان کی ضرورت ہے۔ اگر ضرورت کے بقدر یہ اشیاء اس کو میسر ہیں تو اسلام کی نظر میں اس کے لیے زندگی گزارنے کا سامان موجود ہے اور اس کو کسی طرح احساس کمتری میں مبتلا ہو کر دنیا کمانے کی فکر میں یاد خدا سے غافل ہونا زیبا نہیں۔

اس نظریے کے دوسرے جزء عدّ کی تشریح یہ ہے کہ یہ جزء بھی قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: "اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔"[۱۳] اس جزء کی تشریح میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ بالا آیت میں نعمتوں کے عدّ (شمار) کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسی لیے جو قانون اس سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام مدّ کی مناسبت سے عدّ رکھ دیا گیا ہے۔ مدّ کا قانون تو سلبی حکم پر مشتمل تھا یعنی مدّ عین سے روکا گیا ہے اور عدّ والا قانون ایجابی و اثباتی ہے یعنی جن نعمتوں میں آدمی زندگی کے ہر لمحے ڈوبا ہوا ہے، ان ہی کے گننے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قانون مدّ کی تعمیل کرتے ہوئے نایافتہ نعمتوں سے نگاہوں کو ہٹا کر یافتہ نعمتوں کو اگر آدمی شمار کرنے لگے تو بسطیوں (یعنی معاش کی فراوانی رکھنے والے) کی طرف آنکھ اٹھانے ان کے معاشی حال سے اپنے معاشی حال کو ناپنے کی وجہ سے قلوب میں شکوے شکایت کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں، صرف ان کی ہی ازالہ نہیں ہو جائے گا، بلکہ یافتہ نعمتوں کے شمار کرنے یعنی قانون عد پر عمل کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہو گا کہ جذبات شکر کی مسرتوں سے دل بھر جائیں گے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں جو یہ حدیث پائی جاتی ہے: قال النبی ﷺ اذا نظر أحدکم الیٰ من ھو فضل فی المال فلینظر الیٰ من أسفل منہ میں تو سمجھتا ہوں کہ قانون عد ہی کی تعمیل کی یہ ایک عملی شکل ہے"۔[۱۴]

ان چاروں نظریات کے مطابق انسانیت کی ذہن سازی معاشی مسائل سے چھٹکارا حاصل کر کے اسلام کے اقتصادی نظام کے قیام کی طرف بڑھنے کے لیے پہلا اقدام ہو گا۔

اسلامی اقتصادی نظام کی بالواسطہ عملی ضروریات

یعنی وہ ضروریات جن کا عملی وجود اسلامی اقتصادی نظام کی ساکھ بنانے اور اس کو دوام بخشنے میں بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان ضروریات کے وجود پذیر ہوئے بغیر کی جانے والی اقتصادی کوششیں صحیح طور پر اسلامی رنگ بر قرار نہیں رکھ سکیں گی اور جلد ہی مروّجہ ظالمانہ استحصالی نظاموں کی آلۂ کار بن کر اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ گویا کہ یہ ضروریات اسلامی اقتصاد کے نافذ ہو کر حفاظت کے ساتھ پنپنے کے لیے قلعے کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان ضروریات کے قلعے میں اسلامی نظام اقتصاد اپنے عادلانہ رنگ میں منصۂ شہود پر اپنا حقیقی وجود بر قرار رکھ سکے گا۔ یہ ضروریات درج ذیل ہیں:

۱: اسلامی ریاست کی تشکیل: یہ اسلامی اقتصاد اسلام کے عادلانہ اقتصادی نظام کی بالواسطہ بنیادی ضروریات میں سب سے اہم اور اوّلین ضرورت ہے۔ بلاواسطہ عملی ضروریات میں حکومت کی جو ذمّہ داریاں ذکر کی جائیں گی وہ ذمہ داریاں صرف ایک اسلامی ریاست ہی درست طریقے پر انجام دے سکتی ہے۔ اسلامی ریاست وہ ہے جس کے قوانین اسلام کی ابدی عادلانہ تعلیمات سے وابستہ ہوں اور ان قوانین میں اسلامی تعلیمات سے انحراف کی راہ اختیار نہ کی گئی ہو۔ خالص اسلامی ریاست کے زیر نگرانی جب سماج کی ضروریات پوری ہوں گی اور داخلی اور خارجی فتنوں کی یورش سے عوام کو امن و امان حاصل ہو گا تب اس کا اثر بالواسطہ ریاست کی اقتصادی سرگرمیوں پر بھی ضرور پڑے گا۔ اسلامی ریاست کی مالیاتی اور اقتصادی پالیسی بھی بجائے ان کھوکھلے عقلی نظریات کے گورکھ دھندوں کے، قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہو گیا اور ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ وحی کی تعلیمات ہی انسانیت کو دنیا اور آخرت کی کامیابی سے سرفراز کر سکتی ہے۔ البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلامی احکام کے مطابق معاملات انجام دینا اور اسلامی اقتصادی پالیسی اختیار کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلامی احکام کے مطابق تجارتی معاملات تو اسلامی ریاست کی بالادستی کے عموماً محتاج نہیں، کیونکہ یہ فرد کی نجی سرگرمیوں سے متعلق ہے، جب کہ اقتصاد کا تعلق پوری قوم سے ہوتا ہے اس لیے ملکی اقتصادیات کو اسلامی طرز پر استوار کرنا اسلامی ریاست کی نگرانی ہی میں ہو سکتا ہے۔

۲: اسلامی معاشرہ: جب تک معاشرے کی مجموعی حالت اسلام کو اپنے قلوب کی گہرائیوں سے قبول نہیں کرے گی اور اسلامی کی تعلیمات کے آگے اسلام کے بنیادی فلسفے "گردن نہادن" کے مطابق سر تسلیم خم نہیں کرے گی، ریاستی سطح پر طے پانے والی اقتصادی پالیسیاں چاہے وہ اسلامی احکامات سے مستفاد اور قرآن و سنت کی

تعلیمات کی آئینہ دار ہوں اپنا اثر کما حقہ نہیں دکھا سکیں گی۔ اس لیے ریاست کی اقتصادی پالیسیاں جو کہ ایک اجتماعی کیفیت کے پیش نظر بنائی جائیں گی، وہ فرد کا ہاتھ روکنے میں اتنا مؤثر کردار ادا نہیں کر سکتیں جتنا کہ خود فرد کا ضمیر اس کے ہاتھ کو برائی سے روک سکتا ہے۔ اگر ریاست کی عوام نفس پرستی، دنیا پرستی اور مادّہ پرستی جیسے مہلک امراض کا شکار ہو تو ایسی صورتحال میں اقتصادی طور پر ہونے والی شرعی تبدیلیاں میلے کپڑے پر رنگ وروغن کرنے کی مانند ہوں گی۔ جیسے ہی یہ رنگ پھیکا پڑنے لگے گا وہی میل کچیل دوبارہ جھلکنے لگے گا۔ لہٰذا اسلامی اقتصاد کو پوری طرح نافذ کرنے کے لیے اقتصادی تبدیلوں کے ساتھ ساتھ معاشرے میں اجتماعی سطح پر اصلاحی تحریکات کو فروغ دینا نہایت ضروری ہے۔ اس اصلاحی پروگرام کے نتیجے میں افراد کی معاشی سرگرمیاں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گی اور ان افراد سے بننے والا معاشرہ بھی صالح معاشی سرگرمیوں سے مستفید ہو گا۔ لہٰذا معاشرے کی مجموعی ساکھ کو صلاح وتقویٰ کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے اصلاحی اور دعوتی تحریکات کو فروغ دینا بھی اسلامی اقتصادی نظام کے قیام کی بنیادی ضرورت ہے۔

۳: اسلامی نظام قضاء: ہمارے زمانے میں تیسری دنیا کے بیشتر اسلامی ممالک اس عذاب سے گزر رہے ہیں کہ حق دار کو حق کی وصولیابی میں اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں کہ وہ آخر کار تھک ہار کر یا تو حق کی وصولیابی کے بغیر ہی قبر تک پہنچ جاتا ہے یا اس وقت اس کو حق ملتا ہے جب وہ اس حق کی دگنی قیمت ادا کر چکا ہوتا ہے۔ اس پر بھی بس نہیں بلکہ اس سلسلے میں کئی ظالمانہ قوانین کا سامنا کر کے غیر شرعی امور کا ارتکاب اس کے لیے اپنی جان چھڑانے کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ان سب کی بنیادی وجہ اسلامی نظام قضاء کا فقدان ہے۔ ان ممالک کی عدالتوں نے مغرب کے ان کھوکھلے قوانین کو اپنا کر اسلام کے آفاقی، عالمگیر اور ہمہ گیر قوانین کو پس پشت ڈال دیا ہے اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ ان کھوکھلے قوانین کی دراڑوں سے ظلم کو سرایت کرنے کا با آسانی موقعہ مل جاتا ہے۔

عدالتی انتظامیہ کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک صالح عدالتی نظام بھی اقتصادی نظام کی بنیادی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اقتصادیات کی اصلاح میں عدالتی نظام کی اصلاح کرنے پر بہت زیادہ زور دیا ہے[۱۵]، جس کا لازمی اثر اقتصادیات کی مجموعی حالت پر بھی پڑے گا۔ ان اصلاحی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے سے عدالت کے شعبے میں ایک وسیع اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ عدالتی نظام کی اسلامی خطوط پر استواری ملکی اقتصادیات کی اصلاح میں ایک اہم کردار ادا کر سکے گی، اسی وجہ سے اسلامی نظام قضاء کا رواج بھی اسلامی اقتصادی نظام کی عملی ضروریات کی فہرست میں شمار کیا گیا۔

۴: حدود و تعزیرات کا عملی نفاذ: حدود و تعزیرات اگرچہ عدالتی نظام ہی کی ایک کڑی ہے، تاہم ان کے نفاذ کے بارے میں کم علم اور فتنہ پرست لوگوں کی طرف سے پھیلائے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کی بناء پر اس شعبے کو علیٰحدہ سے ذکر کرنا مناسب سمجھا گیا۔ حدود و تعزیرات کے نفاذ سے معاشرہ جان و مال اور عزت و آبرو کے بارے میں خطرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں اور معاشرے کے مجموعی اطمینان اور سکون کی کیفیت بھی بالواسطہ اقتصادی سرگرمیوں پر اثر پذیر ہوتی ہے۔ لوگ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کے لحاظ سے جس قدر اپنے آپ کو محفوظ خیال کریں گے پیداوار یسر گرمیوں میں بھی اسی قدر زیادہ سے زیادہ حصہ لیں گیاور پوری قوم کے لیے اقتصادی خوشحالی کی راہیں ہموار ہوں گی۔

آج جب معاشرے میں بے انصافی، انسان دشمنی اور چوری ڈکیتی کا بازار گرم ہے اور مختلف بحرانوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اس کا ایک بہت بڑا سبب حدود و تعزیرات کے باب میں اسلام کی پیش کردہ پالیسی اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بڑھی ہوئی بدامنی اور خلفشار بھی ہے۔ آج اگر سر بازار بحرانوں کا رونا رویا جا رہا ہے تو اس کی اصل وجہ ان اسباب سے غفلت ہے، جن اسباب کی وجہ سے انسانیت ان بحرانوں کا شکار ہوئی ہے۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آج ہر شخص کو مادہ پرستی کی دوڑ میں لگا کر جرائم کی روک تھام کے لیے مناسب اقدامات سے غفلت بھی عالمی اقتصادی بحرانوں کا ایک بہت بڑا سبب ہے جس کے حل کے لیے ریاستی بالادستی میں حدود و تعزیرات کا عملی نفاذ بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

حکومت کی اقتصادی ذمہ داریاں

ا: بیت المال کا قیام: بیت المال ایک خاص اصطلاح کے ساتھ سب سے پہلے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دور مبارک میں وجود پذیر ہوا[۶]۔ ابن سعدؒ کے مطابق حضرت عمرؓ نے ایک جگہ باقاعدہ "دار الدقیق" کے نام سے تعمیر کروائی جہاں آٹا، ستو، کھجور اور کشمش کے ذخیرے ہوا کرتے تھے۔ ان کے ذریعے مسافر اجنبی اور معذور افراد کی مدد کی جاتی تھی۔[۷] بیت المال کے قیام ذریعے حکومت زر کی گردش کو ایک بہتر تنظیم کے ساتھ مرتب کر سکتی ہے۔

۲: کفالت عامہ کا انتظام: بیت المال کی تشکیل اور انتظام کے بعد اسلامی ریاست کی ایک اور اہم ذمہ داری جس کا تعلق بلاواسطہ ریاستی اقتصاد سے ہے وہ ملک، افراد اور ملکی املاک کی کفالت ہے۔ بیت المال میں جمع شدہ سرکاری خزانہ در حقیقت کفالت عامہ کے مقصد کے حصول ہی کے لیے ہے۔ ہر ریاست میں ایسے افراد ضرور ہوتے ہیں جو کسی داخلی یا خارجی وجہ اور مستقل یا عارضی حاجت مندی کی بنا پر محتاج، مسکین اور غریب ہوں اور اپنی ضروریات

زندگی کے حصول میں دشواریوں کا سامنا کرتے ہوں۔ اسی طرح ریاست کے انتظامی و تعمیراتی اخراجات اسی طرح ضروری شعبہ ہائے ریاست سے منسلکہ افراد جو اپنی خدمات ریاست کے افراد کے لیے پیش کرتے ہوں تو ان کی کفالت بھی مجموعی طور پر پوری قوم کا فریضہ ہے۔ لہٰذا بیت المال میں قوم کی آمدن سے جمع ہونے والے سرکاری خزانے میں ان کی کفالت کا انتظام بھی ریاستی ذمہ داری ہے۔

۳: مالیاتی و تجارتی سرگرمیوں کی نگرانی: احتساب (نگرانی) با قاعدہ ایک علم کے طور پر متعارف کیا گیا ہے، کشف الظنون میں علم احتساب کی تعریف اس طرح بیان ہوئی ہے کہ ریاست کے وہ امور و معاملات جو اس کے تمدّن سے متعلق ہیں اور اس کا تمدّن ان امور و معاملات کے اجراء کے بغیر وجود پذیر ہی نہیں ہو سکتا ہے علم احتساب ان امور و معاملات سے بحث کرتا ہے اور اس بحث و تفتیش کے بعد ان کو عادلانہ خطوط پر استوار کرنے کی تدبیر کرتا ہے، جس کے ذریعے دو معاملہ کرنے والوں کی باہمی رضامندی بر قرار رہے اسی طرح اس علم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مطابق ایسی پالیسی متعارف کروائی جاتی ہے جس کے ذریعے لڑائی جھگڑوں کا خاتم ہو اور ملک میں امن و امان قائم ہو۔[۱۸]

تجارتی سرگرمیوں کا نظام خود حضور ﷺ کا قائم کردہ تھا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تاجر لوگ آپ ﷺ کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کا سامان جب خریدتے تھے تو وہیں بیچ ڈالتے تھے، آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس بات کا ذمہ دار بنایا تھا کہ وہ ان تاجروں کو اس بات سے منع کرے کہ سامان جہاں خریدا ہو وہیں نہ بیچیں بلکہ اس کو منتقل کرکے (اپنے قبضے اور ملکیت میں) رکھ لیں، اسی طرح وہ لوگ جو اٹکل پر (بغیر وزن کیے ناپے اور گنے) تجارت کرتے تھے (جس سے بعد میں بد مزگی اور نزاع کی کیفیت کا پیدا ہونا عین ممکن تھا) ان کی تادیبی کاروائی کی جاتی اور انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے سامان کو اپنے ٹھکانوں پر منتقل کرکے پھر بیچیں۔ فتح مکہ کے بعد مکہ کے بازاروں کی نگرانی کے لیے آپ ﷺ نے سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا جو وہاں تجارتی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے۔[۱۹] موجودہ زمانے کے اعتبار سے اس شعبے کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی اور وہ کس طرح کام کرے گا؟ اور اس شعبے کے متعلق زمانے کے جدید تقاضے کیا ہیں؟ اس کے لیے فن احتساب کے ماہرین کی خدمات لی جاسکتی ہیں۔

۴: معاشی منصوبہ بندی: اس منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہوگا کہ لوگوں کی ملکیت کا احترام اور ذرائع پیداوار میں مسابقت کی آزادی مہیا کرتے ہوئے، معاشرے کے مجموعی کاز کو معاشی اصولوں کی روشنی میں اس سانچے میں ڈھالا جائے کہ تقسیم دولت کے بنیادی اسلامی مقصد کو فروغ حاصل ہو، اور تقسیم دولت کا شعبہ فعال رہے۔ دولت

سمٹ کر کسی ایک حوض میں جمع نہ ہونے پائے۔ اور ساتھ ساتھ ملکی پیداواری شعبوں، صنعت، تجارت، زراعت تینوں میں ترقی ہوتی رہے۔ اسلامی ریاست کی معاشی منصوبہ بندی کے تصور کا ماخذ حضرت یوسف علیہ السلام کی وہ اقتصادی منصوبہ بندی ہے جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ اس قصۂ یوسف میں جہاں اور کئی پہلو حکمت آمیز، عبرت انگیز اور سبق آموز ہیں، وہیں یہ پہلو بھی انتہائی توجہ کا مستحق ہے جب مصر کی اقتصادی حالت کو قحط کی پریشانی سے بچانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے معاشی پالیسی متعارف کروائی۔

اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی میں مندرجہ ذیل اہم مقاصد کو سامنے رکھ کر پالیسی اختیار کی جائے گی۔

ا۔ پیداوار میں اضافہ ۲۔ افراطِ زر پر قابو پانا ۳۔ روزگار کے مواقع کی فراہمی ۴۔ ریاست کی خود کفالت اور استحکام کے لیے اقدامات ۵۔ جدید ٹیکنالوجی کو شرعی حدود کے مطابق فروغ دینا ۶۔ وسائل پیداوار کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانا ۷۔ زرعی و صنعتی ترقی کے لیے اقدامات کرنا ۸۔ معاشرتی سہولیات کی عادلانہ فراہمی ریاست کے معاشی ماہرین ان مقاصد کے لیے اپنے علمی اور تجرباتی بنیادوں پر پالیسی تشکیل دیں، اور اجتماعی فلاح وبہبود کے لیے ریاست اپنا مؤثر کردار ادا کرے۔ اس طرح کی منصوبہ بندی کے لیے ماہرین معاشیات اور فقہ اسلامی میں بصیرت رکھنے والے اہل علم کی مشترکہ کوششوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔ اس منصوبہ بندی کی تفصیلات، نکات اور اہم مقتضیات تو ماہرین معیشت اور علمائے فقہ و قانون اسلامی کے غور وخوض کے بعد ہی مرتب ہو سکتی ہیں۔ تاہم وہ بنیادی اصلاحات جن کی طرف اہل علم عرصہ سے توجہ دلاتے آرہے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ صنعتی وتجارتی اجارہ داروں کا خاتمہ ۲۔ کلیدی صنعتوں میں غریبوں کے حصص ۳۔ سودی نظام کا خاتمہ ۴۔ لائسنس اور پرمٹ کے مروجہ طریقے کی اصلاح ۵۔ مناسب اجرتوں کا تعین ۶۔ زرعی شعبے کی ترقی ۷۔ حکومتی اخراجات ومصارف کی حد بندی

فرد کی واجبی اقتصادی ذمہ داریاں

ا: پیداواری سرگرمیوں میں حصہ لینا: شریعت اسلامیہ بے کاری اور بے روزگاری کے سخت خلاف ہے۔ ایک انسان کو جب خدا تعالیٰ نے اس بات پر قادر فرمایا ہو کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کما سکتا ہو اپنی محنت صرف کر سکتا ہو تو اس کو بے کار، معطل رہنا شریعت میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ اور ایسے شخص کو شریعت نے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ حلال روزی کمانا ایک مسلمان کے منجملہ فرائض میں سے قرار دیا گیا ہے۔[۲۰] پیداواری سرگرمیوں میں حصہ لینا اور خود اپنی کمائی سے اپنے سامان عیش کا بندوبست کرنا انبیاء ومرسلین کا اسوۂ مبارکہ رہا ہے۔[۲۱] اپنی ذمہ داری

پوری کرتے ہوئے کمانے کی استطاعت رکھنے والے ہر فرد کے اس طرح پیداواری سرگرمی میں حصہ لینے سے سرکاری خزانے پر بوجھ کم ہو گا۔ اور ملکی اقتصادی حالت خوش حالی کی جانب بڑھے گی۔

۲:مالی واجبات (زکوٰۃ، عشر اور خراج) کی ادائیگی: یہ بھی اسلامی اقتصادیات کے باب میں فرد کی اہم ترین ذمہ داری ہے جو ریاستی اقتصادی ڈھانچے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر شخص پر لاگو وہ مالی ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی میں ایک حد تک ریاست بھی مداخلت کرتی ہے۔ ان کی ادائیگی کی ترغیب کئی روایات میں وارد ہوئی ہے اور عدم ادائیگی پر سخت وعیدات ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ اگر یہ ذمہ داری فرد ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کرتا رہے اور ریاست اس کی تقسیم کا عادلانہ اور مناسب انتظام کر دے تو اسلامی ریاست کی اقتصادی حالت میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

۳:سودی معاملات سے اجتناب: آج معاشرے کے اقتصادی استحصال میں جو سب سے بدترین عنصر کارفرما ہے وہ سودی معاملات کا رواج ہے۔ اسلام کے اقتصادی نظام میں فرد و ریاست کسی سطح پر سودی معاملات کی گنجائش نہیں ہے۔ ریاستی ذمہ داریوں میں ذکر ہوا کہ مجموعی طور پر سودی نظام کو ختم کیا جائے اور فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انفرادی سطح پر بھی سود کے معاملات سے اجتناب کرے، سود کو خدا تعالیٰ سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی نظام اقتصاد میں سود کی اس شدت سے روک تھام کی وجہ یہی ہے کہ اسلام ایک ایسا معاشی نظام چاہتا ہے جس میں استحصال کی کسی شکل کی کوئی گنجائش نہ ہو اور خاص طور پر وہ دائمی بے انصافی جو اس سرمایہ کار کے روپ میں آتی ہے جس کو ہاتھ پیر ہلائے بغیر ایک مثبت آمدنی کا یقین ہوتا ہے اور پھر وہ نقصان میں شریک نہیں ہوتا، دراں حالیکہ اس شخص سے سرمایہ لے کر کاروبار کرنے والے کو شدید محنت کے باوجود مثبت آمدنی اور نفع کا یقین نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے نجی معاملات کی اسلامی نگرانی کرتے ہوئے سودی معاملے کرنے والوں کی سرزنش کرے۔

۴:سٹے اور جوئے سے اجتناب: شریعت اسلامی میں ایک اہم اصول یہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق مت استعمال کرو، آپس میں مال کا تبادلہ ہو تو رضامندی اور خوش دلی سے ہو کہ دونوں معاملہ کرنے والے اپنے سودے پر رضامند ہوں۔ جس طرح "سود" اور اس کے مشابہ معاملات لوگوں کے اموال ناحق ہتھیانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسی طرح جوا اور سٹہ بھی اسی ناحق ہتھیانے کی ایک صورت ہے۔ چناں چہ فرد کی شرعی اقتصادی ذمہ داری ہے کہ وہ جوئے کے کاروبار سے اپنے معاملات کو پاک صاف رکھے۔ موجودہ زمانے میں سٹے اور جوئے کی کئی صورتیں پروان چڑھ رہی ہیں جن میں گھڑ دوڑ، اخباری معمے، مختلف مالیت کے بند ڈبوں کی خرید و فروخت،

بچوں کے مختلف کھیل، پتنگ بازی، کبوتر بازی اور دیگر کھیلوں پر لگائے جانے والے جوئے، انشورنس کی قسمیں اور انعامی ٹکٹ وغیرہ یہ سب جوئے کی وہ صورتیں ہیں جو مسلمان معاشرے میں غفلت اور دین فراموشی کی بناپر رواج پذیر ہیں۔

۵:ذخیرہ اندوزی سے اجتناب :ذخیرہ اندوزی جس کے ذریعے لوگوں کو ان کی ضروریات کے حصول میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے مکروہ تحریمی ہے۔ حکومت وقت کو بھی بعض کے نزدیک ایک مہینہ اور بعض کے نزدیک کچھ اس سے زیادہ عرصے کے بعد اختیار ہے کہ اس ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو گرفتار کیا جائے۔ اس کا ذخیرہ فروختکر کے اس کے ساتھ تادیبی کارروائی کی جائے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے مطابق ہر وہ چیز جو عام ضروریات میں داخل ہو اور اس کے روک لینے سے لوگوں کو مشقت اور پریشانی لاحق ہوتی ہو ایسی چیز کا ذخیرہ کرنا ممنوع ذخیرہ اندوزی میں داخل ہے [۲۲]۔ فرد کی شرعی اقتصادی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بری خصلت سے بھی اجتناب کرے اور انسانیت کے نفع کی سوچ رکھے۔ عاقبت نااندیش اور بدخصلت لوگوں کے لیے جیسا کہ ذکر ہوا حکومت وقت کارروائی کرسکتی ہے۔

فرد کی اخلاقی اقتصادی ذمہ داریاں

ا۔ صدقات نافلہ: تقسیم اموال کے تمام شعبہ جات میں اسلامی اقتصاد کا فلسفہ یہی ہے کہ اگر اس طرح واجبی اور نفلی انفاق نہیں ہوگا تو یہ اموال ایک مخصوص طبقے میں منحصر ہو کر رہ جائیں اور فقراء کا طبقہ ضروریات زندگی تک سے محروم ہو جائے گا۔ واجبی ذمہ داریوں کے ذیل میں زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کا بیان ہوا، ان کے علاوہ نفلی صدقات کی بھی احادیث شریفہ میں کثرت سے ترغیب وارد ہوئی ہے۔ اس انفاق سے بھی وہ معاشی برکات پھیلیں گی جن کے سہانے خواب دیگر عقلی و فلسفی نظاموں میں دکھائے تو جاتے ہیں لیکن وہ نرے خواب معاشی بحران کا جھٹکا پڑتے ہی یکلخت ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور جس بے اطمینانی کی کیفیت میں ان خوابوں کے دکھانے کی ابتدا ہوئی تھی وہ کیفیت دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ صرف پیدائش دولت کی فرضی نمو اور زیادتی سے منصفانہ تقسیم عمل میں نہیں آئے گی بلکہ تقسیم دولت تقسیم کے عمل ہی سے عمل میں آئے گی۔ اسلامی اقتصادی نظام میں فرد کی یہ اہم ترین اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ واجب انفاق کے ساتھ ساتھ نفلی انفاق میں بھی خوب حصہ لے اس میں خود فرد سمیت پوری سوسائٹی کی معاشی و معاشرتی خیر و بھلائی مضمر ہے۔

۲: قرض حسن: یہ بھی معاشرے کی ایک فطری ضرورت ہے۔ ناگہانی آفات وقتی ضروریات یا تجارتی وجوہات کی بناپر قرض کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام کی عالمگیر تعلیم یہ ہے کہ ایسے ضرورت مند شخص کے

ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرتے ہوئے اور آخرت کے عظیم نفع کو مد نظر رکھ کر قرض حسن (بلاسود) فراہم کیا جائے۔ یہ بھی فرد کی ایک اہم ترین اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اگر وسعت کے حالات اجازت دیتے ہوں تو ہر گز اس کارِ خیر سے پیچھے نہ ہٹے اور معاشرہ کے لیے ایک کار آمد جز ثابت ہو۔ مزید اس شخص کے لیے جو اس کار خیر میں حصہ لے یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر قرض خواہ واقعی عذر اور مجبوری کی بنا پر قرض ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کے ساتھ آسانی اور نرمی والا برتاؤ کیا جائے۔

۳: مالی معاملات میں نرمی: نرم خوئی اور تواضع وہ بلند پایہ صفت ہے کہ ہر مسلمان کو اپنی پوری زندگی کے لے اس صفت کو اپنانا اسلام کی تعلیمات میں سے ہے معاملات اور تجارت میں نرمی کے برتاؤ کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جہاں دو دنیادار ہوس پرست انسان معاملہ کرتے ہیں وہاں کھینچ تان کی فضا ہوتی ہے، ہر ایک دوسرے کو گویا زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کا خواہشمند ہوتا ہے وہاں اسلام کی آفاقی اور پاکیزہ تعلیمات یہ ہیں کہ یہاں بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور معاملہ کرنے والے دونوں شخص ایک دوسرے کے ساتھ نرمی والا برتاؤ رکھیں۔ اس طرح جہاں انسان کی معاشی سرگرمیوں کو بھی ترقی ملتی ہے، وہیں انسان آخرت کی کمائی بھی بیٹھے بیٹھے کر لیتا ہے۔

۴: امداد باہمی کی نجی انجمنوں کا قیام: قرآن کریم میں اہل ایمان کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ نیکی اور تقوی و پرہیز گاری کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ اور گناہ اور برائی کے معاملے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون سے گریز کریں۔ دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے اور مختلف انسان مختلف اوقات میں ناگہانی حوادث کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ مالی تنگی سے دوچار ہوتے ہیں۔ ضروریات زندگی کی کفالت سے عاجز اور درماندہ ہو جاتے ہیں۔ ان صورتوں میں ویسے تو اسلامی حکومت کے قائم کردہ بیت المال کے جملہ فرائض میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ان ضروریات کی بر آری کے لیے مالی معاونت پیش کرے۔ اور باقاعدہ بیت المال میں ایک حصہ اسی کے لیے ہونا چاہیے۔ تاہم اگر بیت المال میں اس کی گنجائش نہ بن پڑے یا بیت المال کا نظام منظم طور پر کارفرما نہ ہو تو اس وقت ان مشکلات سے نمٹنے کے لیے نجی طور پر امداد باہمی کی انجمنوں کا قیام ایک نہایت مفید اور مؤثر عمل ہو گا۔ ان انجمنوں کی حیثیت وقف اداروں کی سی ہو اور ایک رفاہی ادارے کے طور پر یہ کام کریں۔

۵: ماتحت ملازمین کے ساتھ حسن سلوک اور ملازمین کو ہدایت: یہ بھی فرد کی اہم اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اپنے ماتحت ملازمین کی خبر گیری کرے اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرے۔ اسی طرح ان کی تنخواہ اور اجرت کے سلسلے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ یہ بھی اسلامی معاشی نظام کا زرین باب ہے جس میں ملازمین کے ساتھ برتاؤ کے آداب بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔ زیادہ زیادہ دولت کمانے کی ہوس اور حرص میں آج ملازمین پر جو ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بغاوتیں جنم لیتی ہیں۔ رائے عامہ متاثر ہوتی ہے۔